9

مسیح موعود کی غرض بعثت کو پورا کرو

(فرمودہ ۱۸ / مارچ ۱۹۲۱ء)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا۔

تیرہ سو سال گذرنے کو ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ایک برگزیدہ نے خدا کے حکم کے ماتحت اپنی امت کو ایک دعا سکھائی ہی نہیں بلکہ اس کے بار بار پڑھنے کی تاکید کی۔ پھر معمولی تاکید نہیں۔ بلکہ روزانہ اس کے پڑھنے کو فرض کر دیا۔ اور سترہ دفعہ فرض کے علاوہ سنتوں اور نوافل میں بھی مقرر کیا۔ حتیٰ کہ یہ فرمایا کہ جو نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔۱۔ وہ شخص جس نے دعا سکھائی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور وہ دعا سورہ فاتحہ ہے۔ جو شخص نماز پڑھتا ہے اس کو نماز کی ہر رکعت میں پڑھتا ہے۔ فرائض میں بھی۔ سنتوں میں اور نوافل میں بھی۔ قرآن کریم کی دوسری سورتوں کی نماز میں تلاوت بدلتی رہتی ہے۔ تسبیح و تحمید کے الفاظ بدلتے رہتے ہیں۔ اور دیگر دعائیں بدلتی رہتی ہیں۔ مگر ایک سورہ فاتحہ ہے۔ جو بدلتی نہیں۔ قرآن کریم کا کوئی حصہ نہیں۔ جو اس کی بجائے پڑھا جا سکے۔ اگر قرآن کریم سارے کا سارا پڑھا جائے۔ اور نماز میں فاتحہ کو چھوڑ دیا جائے۔ تو سارے قرآن کریم کا اس کی بجائے پڑھنا کافی نہیں۔ حالانکہ یہ کتنی مختصر سورۃ ہے۔ صرف سات آیتیں ہیں۔

اب غور کرنا چاہیئے کہ کیا چیز ہے اس میں جس کی بنا پر رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس قدر زور دیا ہے۔ سو یاد رہنا چاہیئے اس کا پہلا حصہ ثناء و حمد ہے۔ اور دوسرا حصہ خدا تعالیٰ کے حضور دعا کے طور پر ہے۔ حمد و ثناء بھی عام ہے اور دعا بھی عام ہے۔ کوئی ضرورت اور کوئی حاجت نہیں جو اس سے باہر ہو۔ لیکن سب سے زیادہ مستحق توجہ وہ بات ہے جس کی طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورہ میں اشارہ فرمایا ہے۔ فرمایا کہ یہود و عیسائی بننے سے بچانے کے لئے ہے۔۲۔ گو ساری دنیا کے مطالب اس میں ہیں۔ مگر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ امت محمدیہ میں یہودی و عیسائی نہ ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جو بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر میں

بیان فرمائی ہے۔ اسی کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ جبھی حضور نے خصوصاً اس بات کی تصریح فرمائی۔

اب سوال ہوتا ہے کہ یہودی کیسے بنے ہیں۔ خود لفظ یہودی تو برا نہیں۔ اس کے دو معنی ہوتے ہیں۔ اول یہودہ کی نسل سے ہونے کی وجہ سے یہودی کہلاتے ہیں اور یہ کوئی برا شخص نہ تھا۔ بلکہ یہودہ وہ شخص تھا جس کے ساتھ وعدے تھے کہ اس کی نسل سے انبیاء آئیں گے۔ پس یہ نسبت بری نہیں۔

یہودہ حضرت ابراہیمؑ کے پڑوتے ہوتے ہیں۔ یہ بھی نہیں کہ وہ کوئی برے شخص ہوں۔ بلکہ ان کی ذات سے وعدے تھے۔ ابو جہل بھی حضرت ابراہیم کی نسل سے تھا۔ مگر وہ بد عمل اور نالائق انسان تھا۔ اس لئے باوجود نسل ابراہیم سے ہونے کے آج کوئی شخص ابو جہل کی اولاد سے کہلانے کو پسند نہیں کرتا بلکہ اس کو گالی خیال کرتا ہے۔

دوسرے یہودی کے معنی ہدایت یافتہ کے ہوتے ہیں۔ اور ہدایت یافتہ ہونا بھی برا نہیں۔ اگر یہودی سے مراد وہ قوم لی جائے۔ جنہوں نے حضرت موسیٰ کے ذریعہ خدا تعالیٰ کے انعام پائے۔ یہ بھی بری بات نہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ کہ **وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم۔** **(النور : ۵۶)** فرمایا کہ مومنین کو اور امت محمدیہؐ کو وہ انعامات ملیں گے۔ جو یہودیوں نے پائے تھے۔ پس ان میں سے کوئی بات بھی بری نہیں جس کی وجہ سے یہ کہا گیا ہو۔ اس سے یہی مراد ہے۔ کہ وہ یہودی جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں حضرت عیسیٰ کا انکار و مخالفت کی ہم ایسے نہ ہوں۔

اسی طرح عیسائی بھی برے نہ تھے قرآن کریم حواریوں کی تعریف کرتا اور مومنوں کو تاکید کرتا ہے کہ انکی پیروی کریں۔ا۔ اگرچہ انجیل ان کے متعلق کہتی ہے کہ ضرورت کے وقت وہ مسیح سے الگ ہو گئے تھے۔ مگر قرآن کریم ان کی تعریف کرتا ہے پس اس سے مراد وہ عیسائی ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ کے معاملہ میں غلو کیا۔ اور ان کی طرف وہ صفات منسوب کیں۔ جو خدا سے مختص ہیں۔ مثلاً پیدا کرنا۔ زندہ کرنا۔ پس انہی عیسائیوں جیسے بننے سے بچنے کے لئے دعا سکھائی گئی ہے۔

اب سوال ہوتا ہے کہ ہمارے زمانہ میں بھی ایک مسیح آیا۔ جنہوں نے اس کا انکار کیا وہ غضب الٰہی کے مستحق ٹھہرے۔ اور اسی طرح جنہوں نے مسلمانوں میں سے مسیح ناصری کی شان میں غلو کیا۔ اور اس کو زندہ آسمان پر چڑھایا۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تجویز کیا کہ وہ مر گئے اور زمین کے نیچے مدفون ہیں اور وہ خوش ہوتے ہیں اگر کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

متعلق کہے کہ وہ فوت ہو گئے۔ اور سمجھتے ہیں کہ اس طرح وہ ایک حقیقت کا اقرار کرتا ہے لیکن اگر کوئی حضرت مسیح کے متعلق کہدے کہ وہ فوت ہو گیا تو ان کے منہ میں غصہ سے جھاگ آجاتی ہے۔ اور وہ جس بات میں رسول کریمؐ کی ہتک نہیں۔ خیال کرتے ہیں کہ مسیحؑ کی ہتک ہو گئی۔

پس اب سوال ہوتا ہے۔ کہ آنے والے مسیح کا انکار کرنا خدا کے نزدیک بڑی ہی بری بات ہوگی جس سے بچنے کے لئے تیرہ سو سال سے دعا کی جا رہی ہے۔ اور اس کا ماننا بہت ہی بڑے اہتمام کا موجب ہوگا۔ پس یہ زور دینا اور اہمیت دینا بتلاتا ہے۔ کہ یہ خاص ہی بات ہے۔ اور بڑی ہی اہم ہے اگر کوئی خاص بات نہ ہو تو یہ زور دینا بے معنی ہو جاتا ہے۔

اب میں اپنی جماعت سے پوچھتا ہوں کہ یہ دعا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی کرتے تھے اور ابوبکرؓ بھی یہی دعا کرتے تھے۔ عمرؓ بھی مانگتے تھے۔ عثمانؓ و علیؓ بھی مانگتے تھے۔ اور دیگر مجددین امت بھی یہ دعا مانگتے تھے۔ اور دیگر صلحاء امت بھی یہی دعا کرتے تھے۔ اس دعا پر اتنا زور دینا کوئی خاص حکمت ضرور رکھتا ہوگا۔ اگر یہ بات نہ ہو۔ تو یہ دعا اکارت جاتی ہے۔ اور یہ کوشش اور اہتمام لغو معلوم ہوتا ہے۔

بے شک ہر ایک بات کے کئی پہلو ہوتے ہیں۔ اور کسی امر کو کئی نقطہ نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ یہ بھی بڑی بات ہے کہ ایک شخص ایک خدا کے مامور کو ماننے والا ہے۔ اور ایک اس کا منکر ہے۔ نہ ماننے والے کافر کہلائیں گے اور ماننے والے مومن۔ جیسا کہ میں نے پچھلے خطبہ جمعہ میں بتایا تھا۔ کہ جب مکہ فتح ہوا۔ اور مال غنیمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے نو مسلموں میں تقسیم کیا۔ تو انصار میں سے بعض نوجوانوں کی زبان سے نکل گیا کہ تلواروں سے ہماری خون ٹپکتا رہا ہے۔ مال لے گئے مکہ والے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپؐ نے انصار کو طلب کیا اور ان سے پوچھا۔ انہوں نے عرض کیا۔ حضور بعض نادان نوجوانوں کی زبان سے نکلا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اے انصار بے شک تم یہ کہہ سکتے ہو۔ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اکیلا تھا مکہ والوں نے اس کو نکال دیا۔ اور ہم نے اس کو جگہ دی اور فتح مند ہو کر مال اس نے مکہ والوں کو دیا۔ اور ہمیں کچھ نہ دیا۔ اور اے انصار دوسری طرف تم یہ بھی کہہ سکتے ہو۔ کہ جب مکہ والے اونٹ لے گئے ہم خدا کے رسول کو لے کر اپنے گھروں میں لوٹے۔ ؎ پس کئی نقطہ نگاہ ہوتے ہیں۔ ایک نقطہ نگاہ سے تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ خدا کا ایک مامور آیا دنیا نے اس کو نہ مانا لیکن چند لوگوں نے اس کو مانا۔ اور دنیا کی مخالفت کو اپنے سر لیا اور ہر قسم کی گالیوں اور ذلتوں کو اس کے لئے برداشت کیا۔ اس لئے ایسے شخص کے مومن ہونے میں کیا شک ہے۔ اور اسی طرح ایک شخص خدا کی نعمت کو رد کرتا۔ اور فضل کو ٹھکراتا ہے۔ اور اس کے رحمت کے دروازے کو بند کرتا ہے۔ وہ مومن کیسے

کھلا سکتا ہے لیکن یہ ایک نقطہ نگاہ ہے۔ اور بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ یہ دعا بہت بڑی دعا ہے۔ اور کوئی بہت بڑا مقصد ہے۔ جس کے حصول کے لئے یہ دعا کی جاتی ہے ورنہ اگر ماننا اور نہ ماننا ہی ہوتا تو یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ آگئے تو کیا ہوا۔ اور نہ آتے تو کیا ہوتا۔ وہ کوئی خاص پیغام لائے ہیں۔ جس کے قبول کرنے والے کے لئے انعام ہے۔ اور منکروں کے لئے لعنت ہے۔

پس ہم سے ہر ایک کو اپنے کو ٹٹولنا چاہیئے۔ اور تلاش کرنا چاہیئے۔ کہ ہم میں وہ بات ہے کہ نہیں۔ جو مسیح موعود کی غرض بعثت ہے۔ اور جس کے ماننے پر انعام اور نہ ماننے پر سزا ہے اگر ہم میں وہ بات نہیں۔ تو یہ دعا نعوذباللہ اکارت گئی۔ جو تیرہ سو برس سے مانگی جا رہی ہے۔ اور آئندہ قیامت تک مانگی جاتی رہے گی۔ جس کا مطلب ہوگا۔ کہ خدایا ہمیں مسیح موعود کا جو آچکا ہے ماننے والے بنا۔ اور جو اس کے منکر ہیں۔ اور ضال ہیں ان میں سے نہ بنا۔ پس ہمیں وہ امتیاز حاصل کرنا چاہیئے۔ اگر ہم میں وہ خاص بات ہے تو ہم مبارک ہیں۔ اور اگر کسی قدر ہے تو اس کو بڑھانے کی ضرورت ہے۔ اور اگر نہیں تو اس کو پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

پس میں نصیحت کرتا ہوں کہ مسیح موعود کو ماننے والوں کو اپنے آپ میں دوسروں سے امتیاز پیدا کرنا چاہیئے۔ اور جس کو دشمن بھی دیکھ کر ماننے کے لئے مجبور ہو۔ وہ دیکھیں کہ ہم اپنے عقائد میں اعمال میں اخلاق میں عبادت و روحانیت میں معاملات قرابت و لین دین میں رشتہ داروں کے ساتھ سلوک میں کچھ امتیاز رکھتے ہیں۔ اگر وہ چیز ہمیں مل گئی تو ہم مبارک اور اگر نہیں تو ہمیں اس کی تلاش کرنے کی فکر کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ سب کو توفیق دے کہ ہم مسیح موعود کی غرض بعثت کو پہچانیں اور اس غرض کو حاصل کریں اور ان امور کو قائم کریں اور اپنی نسلوں تک اور وہ اپنی نسلوں تک اور اسی طرح ایک بڑے سلسلہ تک ہم اس کو پہنچائیں۔ آمین

(الفضل ۱۸؍ اپریل ۱۹۲۱ء)

۱۔ بخاری کتاب الصلوٰۃ باب قراءۃ الامام والماموم فی الصلوٰۃ

۲۔ مسند احمد بن حنبل روایت عدی بن حاتم

۳۔ بخاری کتاب مناقب الانصار